سانحہ ۸؍اکتوبر اور رپور تاژ بھونچال ایک مطالعہ

بشیر احمد☆
Bashir Ahmad
ڈاکٹر الطاف یوسفزئی☆☆
Dr. Altaf Yousafzai

Abstract:

On October 8, 2005, a magnitude 7.6 earthquake shoot the Kashmir region as AJK and disputed territory controlled of India along with some sections of Pakistan, India and Afghanistan, more than 80,000 people pershed as a result of quake, while an estimated 4 million other were left homeless. The most people died in Mazaffarabad, mostly were the students of schools, colleges and university. " Bhoonchal" is the "Repurtaz" about this incident, which is report about causality, damages of the buildings destruction road, schools, bridges and other infrastructure. It is the report of those people which have lost their son, daughter, father , mother and other relatives. It is the report of grief of the soul of the people of Muzaffarabad.

رپور تاژ ایک ایسی رپورٹ ہوتی ہے جس میں ادبی رنگ ہوتا ہے۔ یہ ایک ایسی چلتی پھرتی تصویر ہے جس میں خود مصنف کی ذات، اسلوب، قوت متخیلہ، تخلیقی توانائی اور معروضی صداقت پائی جاتی ہے۔ رپور تاژ کے لیے سفر ضروری نہیں ہوتا بلکہ اسے چشم تخیل سے بھی لکھا جا سکتا ہے۔ رپور تاژ کسی واقعے یا سانحے کی رپورٹ ہوتی ہے۔ رپور تاژ نگار یا تو قاری میں سرشاری اور خوشی کی لہر چھوڑ دیتا ہے یا ایسی رپورٹ مرتب کرتا ہے جو قاری کے دل کو دہلا دیتی ہے۔ یہ ایسی رپورٹ ہوتی ہے جو گزرے ہوئے غم، دکھ، درد اور خوشی کے واقعات کو بیان کرتی ہے۔

پروفیسر قمر رئیس "اردو میں رپور تاژ نگاری" کے پیش لفظ میں لکھتے ہیں۔

”رپور تاژ کو عموماً رپورٹ اور روزنامچے کے قبیل کی صنف کہا جاتا ہے۔ یعنی بیتے

☆ پی ایچ ڈی سکالر شعبہ اردو ہزارہ یونی ورسٹی

☆☆ شعبہ اردو ہزارہ یونی ورسٹی

ہوئے یا گزرے ہوئے واقعات۔"(۱)

رپورتاژ ایک صحافتی صنف ہے اسے بطور ادبی صنف صرف اردو میں برتا گیا ہے۔ یہ صرف چشم دید واقعات پر لکھا جاتا ہے۔ رپورتاژ نگار اس کا عینی شاہد ہو تو رپورتاژ زیادہ معتبر اور حقیقی واقعہ بن جاتا ہے۔

The robber book of reporting کے مصنف جان کیری لکھتے ہیں۔

"رپورتاژ عینی شاہد کے ذریعے ضابطہ تحریر میں لائے گئے ایسے ٹھوس حقائق ہیں جو واقعہ کے وقوع پذیر ہونے کے بعد قلم بند کئے گئے ہوں، وقت اور تاریخ کا تعین اور خود مصنف کا عینی شاہد ہونا رپورتاژ کو زیادہ معتبر بنادیتا ہے۔"(۲)

کوئی سانحہ یا واقعہ جہاں انسانی زندگی کے باقی شعبوں پر اثر انداز ہوتا ہے وہاں وہ ادب پر بھی گہرا اثر چھوڑتا ہے کیونکہ ادب تخلیق کرنے والے بھی اسی معاشرے کے فرد ہوتے ہیں جس میں یہ واقعہ ظہور پذیر ہوتا ہے۔ سانحہ ۸/ اکتوبر نے مظفر آباد، بالاکوٹ، مانسہرہ، گردونواح، مقبوضہ کشمیر اور ہندوستان کے کچھ علاقوں کو متاثر کیا اس زلزلے کا مرکز مظفر آباد اور بالاکوٹ کے درمیان تھا۔ اس واقعے پر اردو ادب کے شعری اور نثری اصناف میں اچھا خاصا ادب تخلیق ہوا جس میں افتخار مغل کا رپورتاژ" بھونچال" ایک خاص اہمیت کا حامل ہے جس میں انہوں نے ۸/ اکتوبر کے قیامت خیز زلزلے کا آنکھوں دیکھا حال اس انداز میں قلمبند کیا ہے کہ اس واقعے کے ہلاکت خیز مناظر قارئین کی آنکھوں کے سامنے تیرنے لگتے ہیں۔ سکول، ہسپتال، بازار، راستے، پل اور مکان چشم زدن میں کس طرح ہست سے نیست میں تبدیل ہو گئے ان مناظر کو افتخار مغل نے انتہائی دلدوزی سے دیکھا اور دلسوزی سے تحریر کیا۔

ڈاکٹر افتخار مغل کا یہ رپورتاژ کو ۲۶ عنوانات پر مشتمل ہے اور ہر عنوان کے اندر ایک درد بھری داستان موجود ہے۔

زلزلے میں شہید ہونے والی بچیوں کا ذکر کرتے کرتے اس ہاسٹل کی بارعب وارڈن میڈم عذرا کی شہادت کو بھی موضوع سخن بناتے ہیں کہ شہادت سے پہلے وہ انتظامی طور پر جس قدر فرض شناس اور انتظامی صلاحیتوں سے بہرور تھیں زلزلے میں وفات کے بعد جب بچیوں کے ساتھ ساتھ اس کی لاش بھی ملبے سے نکال کر سب سے آگے رکھی گئی تو اس لمحے کی کیفیت کو افتخار مغل اس انداز میں بیان کرتے ہیں۔

''آج ۱۲ اکتوبر ہے۔ یونیورسٹی کے گرلز ہاسٹل سے نکلنے والی لاشوں میں ہاسٹل کی وارڈن میڈم عذرا کی لاش سب سے آگے رکھی ہوئی ہے اس کا چہرہ پچک گیا ہے۔ لیکن اس کی آنکھوں میں وہی وارڈن شپ والا رعب ہے۔''(۳)

''اب کے بچھڑے کے ''عنوان سے افتخار مغل گلاب کے پھول کی آپ بیتی کا سبق شروع کرواتے ہیں اسی دوران زلزلہ آتا ہے اور گلاب کے پھول کی آپ بیتی ابھی مکمل نہیں ہوتی کہ بہت سے گلاب زمین کے اندر دفن ہو جاتے ہیں۔

''چھٹے تو ہیں ناں ہاتھ'' کے عنوان میں وہ مظفر آباد کے شہر کا حال بیان کرتے ہیں۔ اس شہر کے سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹی کے بچوں کی شہادت، ہاسٹل میں قیام پذیر بچوں کی شہادت اور جو بچ گئے ہیں ان کے ڈر اور خوف کا احوال بیان کرتے ہیں۔ شاہین سکول کے بچوں کی دکھ اور ڈر کی کیفیت اس انداز سے بیان کرتے ہیں:

''میری بہن ہمارے پہنچنے سے پہلے شاہین سکول میں پہنچ کر عصری اور عکسی کو اٹھا کر اپنے سینوں سے لگا چکی ہوتی ہے۔ کالج کے باہر پارک میں بچے سہمی ہوئی چڑیوں کی طرح ایک دوسرے سے جڑے کھڑے ہیں۔ سفیدے کے پتوں کی طرح لرز رہے ہیں۔ میں سوچتا ہوں یہ بچے کیا سوچ رہے ہوں گے کہ کیا ہوا ہے۔ ان کا رونا بند کیسے ہو گا۔''(۴)

یہ رپورتاژ جس کا آغاز ایک پھول کی آپ بیتی سے ہوتا ہے اپنے اندر اس چمن کی تباہی کا ذکر بھی سمیٹے ہوئے ہے جس نے پھول کے گلاب کو پیدا کیا ہے، اس کو پالا، پھر اس کو مکمل پھول بنایا اور سانحہ ۸اکتوبر اس پھول کی تمام کلیوں کو نہ صرف مسل گیا بلکہ اس چمن یعنی شہر مظفر آباد کو نیست و نابود کر دیا۔ شہر کی تباہی کو وہ ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

''، ''شہر، شہر ملبے کا ڈھیر بن گیا ہے جناب'' اس سے آگے نہ کوئی کچھ سن سکتا ہے نہ پوچھ سکتا ہے۔ ابھی قائداعظم برج پار ہی کرتے ہیں کہ شہر کی تباہی اپنا تماشا دکھانے لگ جاتی ہے، یہ سنگم ہوٹل تھا لیکن اب ملبے کا ڈھیر ہے یہ سول سیکرٹریٹ تھا اب ایک کھنڈر ہے اس کا نام وزیر اعظم ہاؤس تھا۔ اب یہاں کچرا ہی کچرا ہے۔ یہ شاید ایوان صدر تھا۔ اب صرف ایوان ہلاکت ہے۔''(۵)

افتخار مغل کا رپورتاژ بھونچال چشم دید واقعے کی روداد ہے جہاں رپورتاژ نگار نے اس سانحہ کو خود اپنی آنکھوں سے دیکھا وہاں اس نے اپنے قاری کو بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں پر آنے

والی اس آزمائش کے بعد تباہی کو ایسے دکھایا ہے کہ قاری یوں محسوس کرتا ہے جیسے یہ واقعہ مصنف نے نہیں بلکہ اس نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے جس کو پڑھ رہا ہے۔ مظفر آباد کے بینک روڈ کا ذکر بھی وہ ایسے ہی انداز سے کرتے ہیں۔ شہر کی تباہی اور بربادی نے جہاں شہر کی سڑکوں اور مارکیٹوں، سکولوں، عمارتوں اور مکانوں کو تباہ کیا وہاں نفسیاتی طور پر بھی وہ مفلوج ہو چکے ہیں۔ نفسا نفسی کا یہ عالم ہے کہ یہ دن روزِ محشر نظر آتا ہے۔اس کا حال یوں بیان کرتے ہیں:

> ''یہ بنک روڈ ہے لیکن بنک روڈ ایک شاہراہ نہیں ہے یہ میدان حشر ہے۔ یہاں سب ایک دوسرے سے مل رہے ہیں۔ ایک دوسرے کو پہچاننے کی کوشش کر رہے ہیں اگر کوئی کسی کو پہچان لیتا ہے تو صرف اتنا پوچھتا ہے زندہ ہو۔''(۶)

بھونچال ایک ایسی روداد ہے جو اپنے اندر مظفر آباد کی پوری ثقافت کو ڈوبتے ہوئے بیان کرتی ہے۔ مصنف نے اس میں جہاں کمزور پلوں، شکستہ راستوں اور بوسیدہ مکانوں کے تباہ ہونے کا حال بیان کیا ہے وہاں زلزلے کے دوران ایسی عمارات کے تباہ ہونے کا ذکر بھی کیا ہے جنھوں نے اس سے قبل ہونے والے بڑے سانحات کا مقابلہ کیا تھا اور خود کو باقی رکھا تھا لیکن اس سانحہ کے سامنے وہ بھی زمین بوس ہو گئے۔ مظفر آباد کے قلعے کی تباہی کا ذکر اس انداز میں کرتے ہیں:

> ''میرے پاؤں کے ساتھ کچھ ٹکراتا ہے۔ میں ٹھوکر کھا کر سنبھلتا ہوں تو دیکھتا ہوں کہ میرے پاؤں میں میرے کلچر کی لاش پڑی ہے۔ مظفر آباد کا قلعہ تو کسی آفت کے سامنے زمین بوس نہیں ہوا تھا۔ اس بہادر نے تو ۱۹۹۲ء کے قیامت خیز سیلاب کے سامنے بھی سرنڈر نہیں کیا تھا اسے آج تک کوئی حادثہ سر نہیں کر سکا تھا۔ میں قلعے کی طرف دیکھتا ہوں اور کہنا چاہتا ہوں "اے نامرد تو بھی؟؟تو بھی اس قیامت کے ساتھ نہ لڑ سکا تو بھی چند سیکنڈ میں ہتھیار ڈال بیٹھا۔''،''(۷)

بھونچال میں جہاں معصوم بچوں، جوانوں، بوڑھوں، مردوں اور عورتوں کی قیمتی جانوں کے ضیاع کے ذکر ہے وہاں زندہ بچ جانے والے لوگوں کا جذبہ ایثار اور قربانی کا ذکر بھی موجود ہے۔ انہوں نے اس ذیل میں نہ صرف مردوں، عورتوں، یونیورسٹی اور کالجوں کے نوجوان طالبعلموں کے جذبہ ایثار اور قربانی کی مثالیں دی ہیں بلکہ ایسی بہادر لڑکیوں کی بہادری اور جذبہ انسانیت کو بھی بیان کیا ہے جو خود تو بہت معصوم ہیں لیکن ان کا جذبہ جوان ہے۔ صبا بھی ایسی ہی جذبہ اور ایثار سے سرشار لڑکی ہے۔ وہ گرلز کالج کی طالبہ تھی جو خود بچ کے نکل آتی ہے لیکن پھر اپنی سہیلی کو بچانے

واپس جاتی لیکن ایثار کی یہ پیکر سہیلی کو بچاتے بچاتے اور شہید ہو جاتی ہے۔ اس کا حال یوں بیان کرتے ہیں:

> ''صباء گیلانی ابھی تھوڑی دیر پہلے گرلز کالج سے اس کی میت نکلی ہے، وہ زندہ سلامت نکل آئی تھی اس نے اپنی کتابیں اپنی کلاس فیلو کے ہاتھ میں تھمائیں اور میں ابھی آئی کہہ کر اپنی ایک کلاس فیلو کو نکالنے واپس کلاس روم چلی گئی تھی پھر نہ وہ نکلی اور نہ ہی اس کی دوست۔ میں صبا کی قبر پر بیٹھا سوچتا ہوں۔''(۸)

مصنف نے اس رپورتاژ میں وہ حقیقت بیان کی ہے جو صرف شہر مظفر آباد یا اس کے باسیوں پر نہیں گزری بلکہ اس پر خود بھی گزری ہے۔ اس نے اس سانحہ کو اپنی کھلی آنکھوں سے خود دیکھا۔ بھونچال اس لحاظ سے ڈاکٹر خلیق کی بیان کردہ رپورتاژ کی تعریف پر پورا اترتا ہے:

> ''خاص خاص تاریخی واقعات یا ان کے کچھ حصے جن میں تحریر کا مصنف کبھی کسی نہ کسی حیثیت سے خود بھی شامل رہا ہو۔ رپورتاژ کے دائرے میں آتے ہیں۔''(۹)

بھونچال ایک ایسا رپورتاژ ہے جس میں ڈاکٹر افتخار مغل ہر واقعہ کے ساتھ ساتھ خود بھی رہتا ہے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ بیان کرنے والا جو کچھ بیان کر رہا ہے وہ اس بیان کے ساتھ خود بھی ایسے چل رہا ہے جیسے وہ سب اس پر خود گزر رہا ہے وہ کہیں تو ایسے سوالیہ انداز اختیار کرتا ہے کہ قاری کو یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ اسی کے سامنے کھڑا سوال کر رہا ہے۔ بھونچال ایک ایسے واقعے پر لکھا گیا رپورتاژ ہے جس کا دکھ درد اور اثرات شاید بچ جانے والوں کے دل سے محو نہ ہو سکیں۔ یہ اتنا بڑا سانحہ تھا کہ جسے پوری دنیا نے محسوس کیا۔ معصوم بچوں کی سر کٹی لاشیں، شہتیروں کے نیچے دبے ننھے پھول، جوان، بوڑھے، عورتیں اور جوان عمر بچیاں یہ ایک ایسا منظر ہے جو دل دہلا دیتا ہے۔ ڈاکٹر افتخار مغل نے اس انداز میں تحریر کیا ہے کہ قاری پر ایک ایسی کیفیت طاری ہو جاتی ہے کہ جب تک وہ مطالعہ میں رہتا ہے یوں محسوس کرتا ہے کہ زلزلہ آیا ہوا ہے اور وہ اس کو خود بھگت رہا ہے بلکہ زلزلے سے پہلے کھلنڈرے سے طالبعلم اس کے بعد اپنا سارا کھلنڈرا پن بھول جاتے ہیں۔ اب وہ صرف ہمت و ہمدردی کا پیکر ہیں، حوصلے اور طاقت کا پہاڑ ہیں اور اس سانحہ کے نتیجہ میں آنے والی اموات سے لڑ رہے ہیں۔ وہ بوائز پوسٹ گریجویٹ کالج کے ان آوارہ اور کھلنڈرے نعرہ باز، بے فکرے، پر تشدد طلباء جو اس مشکل کی گھڑی میں مددگار بنے ہوئے ہیں کا حال یوں بیان کرتے ہیں:

''مجھے یہی سفید شرٹیں اور گرے پتلونیں اس کے لنٹر پر اس کے کونے کھدروں میں اس کے ملبے کے امباروں پر پھیلی موت کے ساتھ گتھم گتھا نظر آتی ہیں کوئی اوزار نہیں صرف ایک عزم ہے کوئی ہتھیار نہیں صرف ایک استقلال کا ہتھیار ہے۔ کوئی کدال نہیں صرف ارادے کی ایک انی ہے۔ کوئی ہتھوڑا نہیں صرف زورِ بازو کی ضرب کاری ہے۔''(۱۰)

اس پورے رپورتاژ میں افتخار مغل خود کو ایک استاد ہی کی صورت میں پیش کرتے ہیں ان کا دکھ ان کا درد ان کے وہ شاگرد ہیں جو کسی نہ کسی صورت میں اس سے پڑھتے رہے ہیں۔ وہ گلی گلی ،سڑک سڑک، کالج کالج اور سکول سکول ہر جگہ کا واقعہ بیان کرتے ہیں۔

بھونچال نہ صرف ۸/ اکتوبر کی رپورٹ ہے بلکہ مصنف نے ان لوگوں کا احوال بھی بیان کیا ہے جو اس سانحہ میں بچ تو گئے ہیں لیکن اس کے بعد ان پر ایسے کئی سانحات گزرے۔ انہوں نے کن کن مشکلات اور مصیبتوں کا خندہ پیشانی سے مقابلہ کیا۔ اس میں اس سانحے کے بعد آنے والے چھوٹے چھوٹے واقعات بھی ہیں جو ان پر گزرے۔ یہی متاثرین جب مظفر آباد، باغ اور بالا کوٹ سے نقل مکانی کر کے اسلام آباد جاتے ہیں تو وہاں ان کو وہ تنگ و تاریک کوارٹر دئے جاتے ہیں جو سرکاری ملازمین کے لیے بنائے گئے تھے لیکن ان ملازمین نے ان میں منتقل ہونے سے انکار کر دیا تھا۔ ان کو بھوت بنگلے کہا جاتا تھا جو منشیات کے عادی، جوابازوں، مجرموں اور مفروروں کی پناہ گاہیں تھیں۔ ان میں منتقلی کے بعد بعد ہی پریشانی کے حال کی ایک جھلک مصنف یوں دکھاتے ہیں:

''مظفر آباد باغ بالاکوٹ سے کسی پناہ گاہ کی تلاش میں نکلنے والے بے درد و دیوار مہاجروں کو یہ بھوت بنگلے کسی بھی نعمت سے کم نہ لگے بجلی گیس اور پانی جیسی بنیادی سہولتوں سے محروم ان چھتوں کے نیچے بے گھر، بے در لوگوں کے اہل خانہ اس طرح سہمے کھڑے تھے جیسے تیز بارش میں راہ گیر کسی چھتنار پیڑ کے نیچے ایک دوسرے سے لگے دم سادھے آنکھوں میں خوف بسائے بارش تھم جانے کی آس لگائے کھڑے ہوں۔''(۱۱)

بھونچال صرف سانحہ ۸ اکتوبر میں زندہ بچ جانے والوں کا احوال ہی بیان نہیں کرتا، ان مرنے والوں کی تفصیل بھی بتاتا ہے جن کو کفن کے بغیر جنازہ پڑھے بغیر اور لواحقین کے بغیر ایک نہیں دس دس، سو سو کو اجتماعی قبروں میں دفن کیا گیا جن کی قبروں پر نہ کوئی رونے والا ہے نہ کوئی

فاتحہ پڑھنے والا۔ افتخار مغل اپنے گاؤں میں دفنائے جانے والے شہدا کے بے گور و کفن کا حال یوں بیان کرتے ہیں:

''اتنے سارے مرنے والوں کے لئے کفن، میں نے یوں ہی سوال پوچھ لیا کفن اس روز کسی نے کفن کا تکلف نہیں برتا اس دن تو کسی کا دفن ہو جانا ہی کوئی کم "لگژری" نہیں تھی وہ عجب دن تھا بھائی جان مجھے بیدل حیدری کا شہر یاد آتا ہے۔
بھونچال میں کفن کی ضرورت نہیں رہی ہر شخص نے مکان کا ملبہ پہن لیا۔''(۱۲)

افتخار مغل زلزلہ کے دن سے واقعات بیان کرنا شروع کرتے ہیں پھر اپنی بیٹی حرا کے ساتھ اسلام آباد پہنچتے ہیں قاری کو ساتھ ساتھ رکھتے ہیں واقعات اور حالات سناتے جاتے ہیں پھر واپس مظفر آباد اور مظفر آباد سے اپنے آبائی گاؤں کا رخ اختیار کرتے ہیں واپسی کے سفر میں وہ جب خیالوں میں گم ہوتے ہیں تو انہیں ۱۹۹۲ء کا سیلاب ۸ ؍اکتوبر کے زلزلے کے سامنے کچھ نظر نہیں آتا۔ بھونچال میں ایسے ایسے انکشافات موجود ہیں کہ پڑھنے والا ان کو پڑھ کر مبہوت ہو جاتا ہے۔ لوگوں کو اس زلزلہ کے بعد اکثر یہ خیال رہتا تھا کہ جو بھی خبر آئے گی وہ لوگوں کے مرنے کی ہو گی ایسے ہی واقعے کو بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر افتخار مغل لکھتے ہیں:

'' ۸؍اکتوبر کے بعد کسی کے مرنے کی خبر تو ایک معمول بن گئی تھی زندہ ہونے کی اطلاع ایک معجزہ لگتی تھی۔''(۱۳)

زلزلے کے بعد کی عید کا ذکر بھی افتخار مغل دکھ بھرے انداز میں کرتے ہیں ہے کہ ایسے سانحے کے بعد عید، عید تو نہیں رہتی دکھوں کی داستان بن جاتی ہے ایسی عید پر جس سے قبل ہر گھر سے جنازے نکلے ہوں اور باقی بچ جانے والے در بدر کی ٹھوکریں کھا رہے ہوں سوائے آہ و بکا اور سسکیوں کے کیا مل سکتا ہے اتنے بڑے سانحے کے بعد آنے والی خوشی بھی بذات خود ایک سانحہ بن جاتی ہے تو ۸ ؍اکتوبر کے بعد مظفر آباد کے باسیوں کے لئے عید کیا تھی ایک درد بھری داستان تھی۔ اس عید کا ذکر افتخار مغل اس انداز میں کرتے ہیں:

''میں تعزیت کے بجائے تہنیت کے پیغام کیوں نہ دوں؟ میں لوگوں کو کیوں نہ بتاؤں کہ ہمیں ایک لاکھ کی تعداد میں مرنا آتا ہے تو ہمیں اسی مرگِ انبوہ کے بعد جنا بھی آتا ہے۔ اگر ہمیں چالیس لاکھ کی تعداد میں اجڑنا آتا ہے تو ہمیں اجڑنے کے بعد جینا بھی آتا ہے۔ میں فون اٹھاتا ہوں اور اپنے دوستوں و عزیزوں کو عید کی مبارکباد یں

دینا شروع کرتا ہوں۔ کہیں کہیں سے جواب میں کہا جاتا ہے کیسی عید؟ کون سی عید؟ میں کہتا ہوں یہی خون میں ڈوبی ہوئی عید یہی درد سے نچڑی ہوئی عید یہی موت میں بھیگی ہوئی عید اور یہی سوگ میں مہکی ہوئی عید۔"(۱۴)

عید تو بذاتِ خود سانحہ تھا ہی لیکن ہسپتالوں میں پڑے وہ لوگ جو زلزلے کے دوران اپنا سب مال و متاع لٹانے کے بعد جو کچھ لائے تھے وہ دردناک زندگی تھی۔ کچھ پاگل پن کا شکار تھے تو کچھ ان کا سہارا بننے والے بھونچال میں ایسا ہی ایک احوال بوڑھے جوڑے عبداللہ اور اس کی بیوی روشن جان کا ہے جو پاگل ہو چکی ہے اور جب وہ اپنے ماضی کو یاد کر کے روتی ہے تو عبداللہ اسے پہاڑی زبان میں یوں دلاسا دیتا ہے کہ اس کے حوصلے کو داد دینی پڑتی ہے:

"نہ روماڑیے روشن جانے نہ رو! توکو اللہ ٹھیک کرسی، اساں دا مکان فر بنسی، نکڑی دا رشتہ فر ہو جلسی مکاناں تے بھارواں پچھے کیاں روندی ہے؟ اساں لوگاں بڑے بڑے کوٹھے چار کا، محل بڑا کا اپنے واسطے موت بنائی آ۔"(۱۵)

اس سانحے کے بعد مصنف کا واسطہ جہاں امداد تقسیم کرنے والوں کے خشک رویے سے پڑتا ہے وہاں افتخار مغل ایسے ہمدرد اور مددگار لوگوں سے بھی ملتے ہیں جو ہمدردی اور ملنساری کے پیکر ہیں۔ وہ ڈاکٹر عمران کے اچھے رویے سے متاثر بھی نظر آتے ہیں جن کی ہسپتال میں وہ ڈپریشن کے دوران داخل ہوتے ہیں اور علاج کرواتے ہیں۔

اس رپورتاژ کی اہم بات یہ ہے کہ افتخار مغل اس کا آغاز گلاب کے پھول کی آپ بیتی سے کرتے ہیں وہ شاید گلاب کا پھول ان بچوں کو قرار دیتے ہیں جنہوں نے ۸ ر اکتوبر کے زلزلے میں جام شہادت نوش کیا اور آخری سبق "روداد" یعنی ان پر کیا گزری کے حالات پر لاکر ختم کرتے ہیں ان کا یہ رپورتاژ ایک ننھے منے پھولوں کی آپ بیتی سے شروع ہو کر ان پر گزرنے والے کڑے حالات کی روداد پر آکر ختم ہو جاتا ہے وہ خود کہتے ہیں۔

"میں اپنا لیکچر شروع کرتا ہوں عزیز طالب علمو! کل۔۔۔میرا مطلب اپنے گزشتہ لیکچر میں ہم نے گلاب کے پھول کی آپ بیتی کے ساتھ آپ بیتی کے موضوع کو مکمل کر لیا تھا آج ہم روداد کے بارے میں پڑھیں گے۔"(۱۶)

لیکن یہاں مصنف بچوں کو جو ہوم ورک دیتے ہیں وہ لکھنے کا نہیں ہوتا ایک ایسی سرگرمی ہوتی ہے جو بچوں نے بھی کرنی ہوتی ہے اور ان کے استاد نے بھی۔ وہ خود لکھتے ہیں:

''لیکن میں نے آج آپ کو ہوم ورک دینا ہے۔ وہ صرف تحریری نہیں دینا ہے۔ آج اس میں ایکٹیویٹی بھی شامل ہے۔ ایکٹیویٹی یہ ہے کہ آپ نے آج یہاں سے نکلتے ہی ایک ایک کر کے اپنے کلاس فیلوز کے گیٹ پر جانا ہے۔ ایک ایک دروازہ کھٹکھٹا کر کہنا ہے کالج کھل گیا ہے، کلاسیں شروع ہو گئی ہیں۔''(۱۷)

بھونچال ایک ایسی روداد ہے جو ایک کلاس روم سے شروع ہوتی ہے اور جب ختم ہوتی ہے تو استاد وہی ۸/اکتوبر والا ہوتا ہے لیکن طلباء میں سے اکثر منوں مٹی تلے دب چکے ہوتے ہیں۔ باقی بچ جانے والوں کے حوصلے بلند ہوتے ہیں، استاد کا جذبہ زندہ ہوتا ہے۔ وہ طلباء کی طرح اپنے لئے بھی کام تفویض کرتا ہے جیسے وہ بچوں کی کلاس کو بھرا ہوا دیکھنا چاہتا ہے وہاں اپنا سٹاف روم بھی بھرا ہونے کی خواہش ظاہر کرتا ہے۔ اپنے جذبے کو خود یوں بیان کرتا ہے:

''میں، میں آج یہاں سے نکلتے ہی ایک ایک ٹیچر کے گھر جاؤں گا۔ میں آپ کو گارنٹی دیتا ہوں کہ جس طرح کل یہ کلاس روم بھرا ہوا گا اسی طرح کل کالج کا سٹاف روم بھی بھرا ہو گا۔''(۱۸)

بھونچال ایک حقیقت پر مبنی رپورتاژ ہے جس نے جہاں سانحہ ۱۸کتوبر اور اس کے بعد زندہ بچ جانے والے لوگوں پر گزرنے والے دکھ اور درد کو بیان کیا ہے وہاں ان کے حوصلے و ہمت کی داستان بھی بیان کی ہے۔ اس میں ایک رپورٹ کے ساتھ ساتھ ادبی رنگ بھی پایا جاتا ہے۔ واقعات نگاری کے لئے ایسے الفاظ کا استعمال کیا گیا ہے جو گویا اس موقع ہی کے لئے مختص ہیں۔ بھونچال ایک سانحہ پر لکھا گیا ادبی شاہکار ہے۔ مصنف نے اپنے خلوص سے بھونچال کو ایک سچا، حقیقی اور معتبر رپورتاژ بنا دیا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ قمر رئیس، پروفیسر، اُردو میں رپورتاژ نگاری از عبد العزیز ساقی بک لاہور، ص۱۱

۲۔ جان کیری، دنیا، ۲۹اپریل۲۰۱۲

۳۔ افتخار مغل ڈاکٹر، بھونچال، کاشر ایڈورٹائزنگ میر پور۲۰۰۶ص۱۰

۴۔ ایضاً، ص۱۹

۵۔ ایضاً، ص۲۰

۶۔ ایضاً، ص۲۲

۷۔ ایضاً، ص۲۷

۸۔ ایضاً، ص۶۰

۹۔ خلیق انجم، ڈاکٹر، اُردو میں رپورتاژ نگاری از عبد العزیز ساقی بک لاہور، ص۸

۱۰۔ افتخار مغل، ڈاکٹر، بھونچال، کاشر ایڈورٹائزنگ میر پور، ۲۰۰۶، ص، ۴۲

۱۱۔ ایضاً، ص، ۱۱۳

۱۲۔ ایضاً، ص، ۱۱۸

۱۳۔ ایضاً، ص، ۱۳۹

۱۴۔ ایضاً، ص، ۱۵۰

۱۵۔ ایضاً، ص، ۱۷۹

۱۶۔ ایضاً، ص، ۲۲۸

۱۷۔ ایضاً، ص، ۲۳۰

۱۸۔ ایضاً، ص، ۲۳۰